کچھ لوگ مندر کے سنہری کلس کی بلندی تک جا پہنچے تھے اور اُسے توڑنے میں مصروف تھے... عمارت اور عقیدے پرانے ہوں تو اُن کو ڈھانا آسان نہیں ہوتا اس لیے... پچھلے دو گھنٹوں سے بُل ڈوزر اور کدالیں اس قدیم ساخت سے نبرد آزما تھیں اور بہت آہستہ آہستہ ایک ایک اینٹ مشکل سے الگ ہوتی تھی... ایک اینٹ الگ ہوتی تھی تو تھوڑی سی گرد اُٹھتی تھی۔

"کیا ہو رہا ہے مشیل؟"

مشاہد نے بتایا۔

اس نے دونوں ہاتھ اس کی کمر کے گرد ڈال کر اپنے آپ کو اس کا ایک حصّہ بنالیا اور یہ حصّہ بری طرح کپکپا رہا تھا، جیسے ایک خوفزدہ بلیک بک کا بخار زدہ ماس ہو.... "مشیل —" وہ اسے اب بہت بلند آواز میں پکارتی تھی "اگر انہیں علم ہو جائے کہ وہ میرے بیٹے تھے.."

مشاہد یکلخت پلٹا... فاطمہ کی آنکھیں پانی سے بھری ہوئی تھیں اور سفید بال دُھول سے اٹے ہوئے تھے "فاطمہ، چپ رہو —"

"نہیں — اگر یہ جان جائیں تو —"

"کیپ یور ماؤتھ شٹ فاطمہ —" مشاہد نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تو جیسے اُس کی آنکھیں پانی کے پار بولنے لگیں... ایک خوفزدہ بلیک بک کی آنکھیں شاہ عالمی چوک میں سنہری کلس والے مندر کے ڈھیتے ہوئے ملبے میں سے اُٹھنے والی گرد کے اندر بولنے لگیں... اور اس کے بالوں کا رنگ راکھ ہو رہا تھا، مندر کی راکھ بے رنگ تھی۔

یکدم خاموشی ہو گئی۔

ہجوم جہاں تھا... مندر کے کنگروں پر چڑھتا ہوا... کلس کو توڑتا ہوا... بنیادیں پر کدالیں چلاتا نعرے لگاتا — یکدم سکوت میں آ گیا — کوئی شے زیرِ زمین سرکی... مشاہد کا ہاتھ جین کی جیب میں رکھے کنگن کی گولائی پر گیا، اس کی ہتھیلی پر وہ ثبت ہوا... اور پھر زیرِ زمین جو شے سرکی اس کی ایک گہری اور بھید بھری آواز سنائی دی جو ہجوم کے سکوت پر حاوی ہوئی اور شاہ عالمی چوک میں ایستادہ سنہری مندر سر کے بل گرد بھرے آسمان میں سے جھکتا نیچے آنے لگا۔

بلند قامت درختوں کے کسی قدیم آبائی جنگل کو جب کاٹتے ہیں تو جانتے ہیں کہ یہ

ب نیچے آئیں گے تو کس رُخ پر کہاں آئیں گے... کہاں گریں گے.... اندازہ ہوتا ہے۔
یکن مندر اور مسجدیں چونکہ ہر روز نہیں گرائی جاتیں اس لیے اُن کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ
نہوں نے کہاں اور کس زاویے پر زمیں بوس ہونا ہے.. شاہ عالمی چوک میں جمع ہجوم کی
نکھوں میں پہلے خوشی در آئی اور پھر خوف آیا کہ یہ معبد ہم پر گرنے کو ہے اور وہاں
یک بھگدڑ مچ گئی... ہجوم کی ایک بے قابو لہر میں اتنا زور تھا کہ اس نے فاطمہ کو الگ کر کے
کچے برتنوں کی دوکان کے قریب کچے گھڑوں پر گرا دیا اور مشاہد نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہاں
یک بک موجود نہ تھا اور جب اُس نے پیچھے مڑنے کے بعد پھر اپنے سامنے دیکھا تو اس کے
ن اوپر سُنہری کلس نیچے آ رہا تھا اور اس کے عقب میں سورج تھا اور اسی لیے اس کی
ونی عمارت اسے آہستہ آہستہ اپنے اوپر آتی دکھائی دے رہی تھی۔

جب زیرِ زمین کوئی شے سرکی تو مندر پر چڑھے ہوئے لوگوں نے اپنے بچاؤ کے
یے چھلانگیں لگا دیں لیکن ایک نوجوان کو شائد موقع نہ ملا — شائد یہ اس کی اپنی پسند
ی- وہ مندر کی چوٹی پر تلوار سونتے ہوئے ایک سپاہی کی طرح ڈٹا کھڑا رہا اور اب اس کے
ے کے ساتھ نیچے آ رہا تھا... آخری لمحوں میں زرد ہوتے چہرے کے ساتھ کہ اُس کے
صوبوں میں مندر ڈھانا تھا اس کے ساتھ خود ڈھے جانا نہیں تھا۔

گرد کا ایک بہت بڑا مشروم ایٹم طرز کا شاہ عالمی چوک میں سے اُٹھ کر آسمان پر
لنے لگا.. بہت سے لوگ ملبے کے نیچے دب گئے تھے۔

فاطمہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا — اس کی گرفت میں ایک کچا گھڑا آیا جو اس کو مشیل
نہیں لے جا سکتا تھا۔

مشاہد پر بھی ملبے کا کچھ حصہ گرا تھا.. اور وہ حرکت نہیں کر سکتا تھا — اس کے
ے پر گرد تھی اور وہ پہچانا نہیں جا رہا تھا..

ہجوم کم ہو رہا تھا...

کارپوریشن کے بُل ڈوزر سرخرو ہو کر واپس جا رہے تھے۔

وہ خود سے اپنے آپ کو ملبے میں سے نہیں نکال سکتا تھا.. اس کی کمر کے نچلے حصے
ت بوجھ تھا اور وہاں شکستگی کی ٹیسیں تھیں۔

ہجوم مزید کم ہوا تو اس نے چوک کے پار کچے برتنوں کی دوکان کے چھپر تلے فاطمہ
اتھ پھیلائے دیکھا — پھر وہ اُٹھی اور اس کی جانب چلنے لگی۔ سڑک پر اینٹیں اور مٹی

کے ڈھیر تھے اور اُن پر ٹھوکریں لگتی تھیں — مشاہد وہیں بے بسی سے پڑا ہوا اور ملبے کی قید میں جکڑا ہوا اس کی جانب حیرت سے تکتا تھا کہ وہ کیسے جانتی ہے کہ میں یہاں ادھر ہوں — اور اُس لمحے فاطمہ ٹٹولتی ہوئی ہاتھ پھیلائے اُس کے قریب ہوئی اور کہنے لگی "مشیل... تم یہاں ہو۔"

اور وہ اس کے پاس بیٹھ گئی، اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا جہاں چند خون آلود خراشوں پر مٹی جمی ہوئی تھی اور اس کے پپوٹوں پر سے گرد صاف کی اور پھر جھک کر مٹی بھرے ہونٹوں کو چوما اور پھر کہا "مشیل... تم یہاں ہو۔"

"ہاں —" مشاہد کراہا "میں یہاں ہوں۔"

چند لوگ چند لمحوں کے لیے ایک ناآشنا چہرے کے لیے جو کہ فاطمہ کا تھا، کھڑے ہوئے اور پھر چلے گئے...

مجھ سے باتیں کرو مشیل —"

ایمبولینس والے آ رہے ہیں بی بی فکر نہ کرو — کسی نے کہا... فاطمہ نے سُنا نہیں۔

مشاہد کے اوپر ایک گرد بھرا آسمان تھا اور ایک ایک ذرّہ دھیرے دھیرے جیسے لال حویلی کی سیڑھیوں کے روزن میں سے آنے والی دھوپ میں ایک ایک ذرّہ آہستگی سے نیچے آتا تھا... ایسے مشاہد کے چہرے پر آتا تھا اور جہاں ملبہ اس پر بوجھ ہو رہا تھا وہاں ریزہ ریزہ ٹیھیں تھیں...

"مشیل، مجھ سے باتیں کرو"

"میں جب ماں کے پیٹ میں تھا تو میری دادی نے جو کالیاں میں ایک خواب دیکھا کہ اُس کے صحن میں بیری کا جو درخت ہے اس پر چراغ جلتے ہیں۔ وہ اَن پڑھ دیہاتن گاؤں کی مسجد کے مولوی صاحب کے پاس بھاگی گئی... فاطمہ بی بی — انہوں نے کہا، تمہارے گھر پوتا ہو گا... تمہارے اکلوتے بیٹے کے گھر ایک بیٹا ہو گا جو چراغوں کی طرح تمہارے خاندان کو اور تمہارے گھ کو روشن کرے گا — تم آج شام انگلینڈ نہیں جا سکتیں، اب نشست کنفرم کروانے کے لئے وقت نہیں رہا —"

"بھول جاؤ —" فاطمہ مسکرائی اور پھر اس کے چہرے پر جھکی... آس پاس بہت کم لوگ تھے... اور وہ بھی ان کی جانب دیکھتے نہیں تھے — "پھر کیا ہوا؟"

"میں پیدا ہوا تو... پہلے گاؤں کے کمہار آئے وِدھائی دینے — اور وہ کچے گھڑے لے کر آئے — ہم چناب کے کناروں پر رہنے والے ہیں اور کچے گھڑے ہمیں پار اتارتے ہیں..." مشاہد ذرا ہنسا۔ اور اُس میں اذیت تھی اور اُس کے چہرے پر گرد کے نیچے سے زردی اُمڈتی تھی "ابھی تم جب ادھر سے آئی ہو تو کچے گھڑے نے تمہیں راستہ دکھایا —"

"ہاں ہاں پھر کیا ہوا — کمہار آئے"

"تو میرے دادا نے غربت کے باوجود انہیں بہت کچھ دیا — پھر ملاح آیا اور اس نے کشتی کا ایک کیل میرے سینے پر رکھ دیا، شائد اسی لئے میں ہمیشہ سفر میں رہا کشتی کے کیل کی گُڑھتی کی وجہ سے — اُسے، ملاح کو بھی میرے دادا نے اپنے بھڑولے کی آدھی گندم عطا کر دے دی... پھر ترکھان آئے میرے لئے ایک طوطا لے کر... ایک رانگلا ریڑھا جس کا سہارا لے کر بچے چلتے ہیں اُسے گاؤں میں طوطا کہتے ہیں... پھر لوہار آیا، اُس نے ہل کا پھل میرے پنگھوڑے کے ساتھ رکھا اور میرے داد سے لاگ وصول کیا... اور میراثی آئے جنہوں نے ہمارے کچے کوٹھے کی چھت پر چڑھ کر بین بجائی کہ چوہدری اللہ بخش کے ہاں پوتا ہوا ہے اور آخر میں داروگر آئے — اُنہوں نے بیری کے نیچے کھڑے ہو کر لے چھوڑے تک آس پاس کے دیہات تک اُن کی آواز جائے اور لوگ جان جائیں چوہدری اللہ بخش کے ہاں..." مشاہد کے چہرے پر مُردنی کی زردی چھانے لگی — فاطمہ رو نہیں سکتی تھی لیکن جان سکتی تھی... اس نے چاروں طرف نگاہ کی... ایمبولنس آ رہی — کسی نے کہا۔

"مشیل — مجھ سے باتیں کرو" اس نے پھر کہا۔

"تمہیں نابینا ہونے کے باوجود یہ کیسے معلوم ہو جاتا تھا، کیسے نظر آ جاتا تھا کہ بیٹے تمہارے سامنے کھڑے ہیں، تلک لگا کر کھڑے ہیں... اور بابری مسجد کو ڈھانے جا رہے ... کیسے نظر آ جاتا تھا؟"

"اگر تمہیں صحرا میں ایستادہ اپنے دادا کے خیمے سے کوئی بھی مناسبت، کوئی لگاؤ ہو تمہارے اپنے بیٹے... ماتھے پر تلک لگا کر سامنے کھڑے ہو جائیں تو نظر آ جاتا ہے —"

"میری جیب میں ایک کنگن ہے — جو میں نے سوختر آباد کے میلے میں سے کریدا

تھا... یہ تمہارے لئے ہے —" وہ درد کی آخری حد تک پہنچ کر کسمسایا۔

"پلیز... زیادہ حرکت نہ کرو... ایمبولنس آ رہی ہے۔"

تارکول کی سڑک پر اُس کی سخت سطح پر مشاہد کا چہرہ بے آرام اذیت میں تھا اور اس پر اتنی دُھول تھی کہ وہ پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ اس پر جھکی فاطمہ کے سفید بال اس کی اذیت کو کم کرتے تھے... اور پھر اُس کی ناک کے عین سامنے... آنکھوں کے برابر میں تارکول کی سڑک پر... گرد آلود اور ملبے سے اٹی سڑک پر — ایک سفید شگوفہ گرا۔

وہ جانتا تھا کہ یہ گرے گا — ایک سلیٹی منظر سے الگ ہو کر وہ یہاں بھی شاہ عالمی چوک میں بھی گرے گا۔

فاطمہ نے مکمل بے یقینی سے اسے دیکھا... اپنی بے نور آنکھوں سے اُسے دیکھا، اُٹھایا اور ناک کے ساتھ لگایا — "یہ کیا ہے مشیل؟"

"یہ ہم ہیں فاطمہ —" وہ درد سے کراہا "یہ ہم ہیں"

چڑیاں شور کرتی تھیں...

اور اب وہ مستطیل کمرے میں آرام کرسی پر دراز سفیدے کے کٹے ہوئے تنے پر
ر رکھے جو اُس کے پلستر شدہ ٹانگ تھی اور رنگین شیشوں سے پرے جامن، پیپل اور
نم کے جھنڈ میں سے تاریکی کی بڑھتی ہوئی ٹھنڈک میں سے شور مچاتی چڑیوں کے یکدم
پ ہو جانے اور اُسی لمحے جیسے سوچ آن ہو جائے اُن کی پر شور چہچہاہٹ کے غبار میں تھا۔
ں جھنڈ تلے گھاس کٹتی چھت والے کمرے کے اندر اب کوئی نہ تھا — وہ ابھی ابھی
ں کی ٹانگ کے سفید پلستر پر اپنے لبوں کی لپ سٹک ثبت کر کے اور اُسی طور جھکی ہوئی
ں پر سرخ مارکر سے "فاطمہ پٹیل" لکھ کر گئی تھی... اے سو ونیئر — اکلوتی یادداشت
۔ جب تم پلستر کٹواؤ گے تو اس حصے کو تم سنبھال بھی سکتے ہو اور ڈسٹ بن میں بھی
نک سکتے ہو... یو آر گوئنگ نوبی آل رائٹ...

ہاؤ دے ڈیول ڈز شی نو دیٹ آئی ایم گوئنگ نوبی آل رائٹ —

چڑیوں کا شور ایک لونگ ڈسٹنس کال کی طرح یکلخت منقطع ہو گیا —

چند روز کے وقفے کے بعد ایک ایئر لیٹر آنا تھا — ڈیئر مشیل — مجھے امید ہے کہ
ک تک تمہارا پلستر کٹ چکا ہو گا اور تم چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے ہو گے — اپنی ٹانگ
زیادہ بوجھ نہ ڈالنا... اور روزانہ زیتون کی تیل کی مالش کرنا — میرے دادا کا آزمودہ
ہ — میں اپنی دوست کے ساتھ شفٹ کر گئی ہوں جس کا تم سے ذکر کیا تھا۔ یہ ہوم
ت کوزی اور آرامدہ ہے اور یہاں میری طرح کے اور بہت سے لوگ اختتام کو پہنچ چکے
... منتظر ہیں... میں نہ تمہیں دیکھ سکتی ہوں اور نہ مستقبل کو — صرف انتظار کر سکتی
ں — کیونکہ محبت کچھ بھی نہ بدل سکی — تمہارا دیا ہوا کنگن میری کلائی میں ہے —
اری فاطمہ۔

اس نے اس کے چہرے سے دھول پونچھتے ہوئے کہا تھا، یہ راکھ رنگ کی ہے۔

اُس کی سیاہ آنکھوں میں اس کی زندگی کے خدشے تھے لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ مجھے کوئی خدشہ نہ تھا — مجھے مکمل زوال دیکھنے کے لئے زندہ رکھا جائے گا — اسی لئے دُھول نہیں تھی، راکھ تھی۔

چڑیوں کا شور پھر زندہ ہو کر سات کمروں والی کوٹھی پر محیط ہو گیا۔

وہ کنگن اب فاطمہ کی کلائی پر ہو گا اور وہ اُسے دیکھتی ہو گی... اپنی انگلیوں سے اور اپنی سیال آنکھوں سے اسے دیکھتی ہو گی۔

مالی شریف حسب دستور نہائت بدتمیزی سے دستک دیئے بغیر اندر آیا اور سلام دعا کے بغیر ناگواری سے اور نہائت حاکمانہ لہجے میں بولا "نہ ڈھلیا کی پنیری آئی ہے، نہ پنیری نہ پٹونیا... پھر کہو گے برابر کی کوٹھیوں میں پھول کھل چکے ہیں اور ہماری ابھی کلیاں بھی نہیں بنیں — کب لاؤ گے پنیری؟"

"تم جاؤ شریف — ابھی تم جاؤ"

"پر کب لاؤ گے؟"

"جاؤ شریف —" اُس کے غصے کی شدت سے شریف کی بدتمیزی ذرا کم ہو گئی۔

"پھر کہو گے کہ برابر کی کوٹھیوں میں پھول کھل چکے ہیں —" وہ بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔

تو End Result کیا ہے؟ بوسیدہ اور گلتی گھاس کئی برس تک یونہی کناروں کے ساتھ لپٹے گی اور کبھی ہوا کے زور سے پیچھے ہٹ جائے گی — لیکن یہ ابھی رہے گی اور میں بوسیدہ ہو جاؤں گا — سچ کیا ہے اور ایک بہتر دنیا کا خواب کیا ہے اور کیا اُس خواب کے لئے ساواک سے سر سفید کروالینا اور اپنے آپ کو مُردہ کرلینا جائز ہے — ڈسٹ اِن ٹو ڈسٹ اینڈ ایشز اِن ٹو ایشز — راکھ، راکھ میں۔

کمرے میں چڑیوں کے شور کے ساتھ تاریکی کی تہیں بیٹھتی چلی جا رہی تھیں اور اب انہوں نے سرد شام کی ہلکی روشنی کو بھی جذب کر لیا تھا۔ مشاہد نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ آن کیا اور اُس کی تیز روشنی نے اسے اتنا ظاہر کیا کہ وہ بے آرام محسوس کرنے لگا — لیمپ آف ہوا تو وہ پھر اپنے آپ میں آ گیا — فاطمہ دراڑ تھی یا نہیں تھی، زندگی کے جگ سا پزل کا ایک ایسا ٹکڑا ضرور تھی جو اسے مکمل کرنے پر قادر تھا۔

ابھی وہ ایئر لیٹر نہیں آیا تھا جس میں اُس نے زیتون کی مالش کا مشورہ دینا تھا —

ابھی نہیں آیا تھا۔

وہ تو ابھی اپنے ہونٹ ثبت کر کے گئی تھی، پلستر کی مُردہ سطح پر لیکن اُن کی گرمی اُسے پگھلاتی ہوئی اس کی ران تک پہنچی تھی اور وہاں بھی اس کے ہونٹ ابھی تک ثبت تھے۔ صرف اس کے سرخ دستخط سفید پلستر تک ہی رہے تھے اور اُن میں اسے پگھلانے کی وت نہ تھی۔

اُس شام میں اور چڑیوں کے متواتر شور میں ایک چرچراہٹ سنائی دی...

یہ برگیتا کا ہاتھ ہے جو سات کمروں والی کوٹھی کے پھاٹک کو ذرا سا دھکیلنے کے بعد بک کر پیچھے ہوا ہے —

کچی کوٹھڑی کے اندر درجن بھر چارپائیوں پر وہ درجن سے زیادہ لوگ بدبودار دٹیں بدلتے تھے اور ڈھیلی ادوائن اور اپنے مقام سے لرزتے پائے انہیں بمشکل ھالتے احتجاج کی آوازیں نکالتے تھے اور وہ اپنے اندر کی ہواؤں کو خارج کرتے ہوئے ہ پرواہ نہیں کرتے تھے بلکہ لطف اندوز ہوتے تھے اور ان چارپائیوں کے درمیان ایک پائی پر — اسے ایک الگ چارپائی دی گئی تھی، اُن کی سِسٹر برگیتا سوتی تھی — آنکھیں کئے، ناک بند کئے نہ سانس لیتی تھی نہ بولتی تھی۔

بکو ساہ پکا بھی اسے سِسٹر کہتا تھا۔

دریائے یوٹا کے کنارے اُس سویڈش گھر کی یہاں کامونکی میں ناقابل تصور ئتوں اور جوہڑ کے کنارے اس سوکالڈ گھر کی بدبوداری کے باوجود — یہاں اس گھر پر ں کا حق بنتا تھا۔ لیکن یہاں وہ برداشت کے قابل نہ تھی — مشاہد جب اسے لینے آیا اس کے انکار پر اس کے چہرے کا تاثر غصے یا مایوسی سے آلودہ نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ سے آگاہ تھا کہ برگیتا وہاں زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتی — اور شائد وہ بھی جانتی تھی — وہ اِس آزمائش میں سے گزر جانا چاہتی تھی۔

اگرچہ وہ سب اس کے آس پاس غلاظت اور بدبو میں لتھڑے ہوئے کروٹیں تھے اُسی پانی سے تخلیق ہوئے تھے جو اس کی رگوں میں دوڑنے والے خون کی ابتدا ن وہ لاچار تھی.. جینز آسائش اور مختلف طرز زندگی کے متبادل نہیں ہو سکتے — وہ سے ایک بڑی سفارش کی صورت میں دیکھتے تھے — سسٹر اپنے صاحب سے کہو مجھے

لاہور کارپوریشن میں پکا بھرتی کرا دے ہیں سسٹر — ذرا صاحب سے شفارش کر دو کہ مجھے دوبئی کا ویزا لے دے... سسٹر جی... مشترکہ خون کے باوجود رابطہ ایک جاں لیوا عمل تھا۔

جوہڑ میں جابجا پانی سے کائی ہٹی ہوئی تھی اور ذرا فاصلے پر ایک مرغابی جسے شائد قادر آباد کی جھیلوں پر اُترنا تھا اپنی ڈار سے بچھڑ کر کامونکی کے جوہڑ کو ایک گرم آماجگاہ سمجھ کر نیچے آ گئی تھی اور اب تنہا اس میں تیرتی تھی اور شائد اس کے بدبودار پانیوں میں پر سمیٹ کر بے مراد ہوتی تھی — پُور تھنگ۔

وہ ہر صبح، سویر کی پہلی مدھم روشنی میں اُس بدبُودار قید سے نکل کر جوہڑ کے کنارے آ بیٹھتی... نزدیکی رُوڑی سے اُٹھنے والی ہوا کی لہروں پر آتی جاتی ناگوار مہک کو وہ سانس روک کر اور پھر جلدی سے سانس لے کر برداشت کر جاتی — اُس کی پوری زندگی یعنی پچھلے سات آٹھ دن برداشت کی کوشش میں صرف ہوئے تھے — اور آج پہلی بار اس نے اپنے پیریڈز کے بارے میں سوچا — وہ قدرے بے قاعدہ ہو جاتی تھی لیکن تین چار دن سے زیادہ نہیں — اور آج — کتنے دن پہلے... ایک ہفتے کی تاخیر... وہ ہڑبڑا کر اُٹھی اور سکول کے بچوں کی طرح انگلیوں پر حساب کرنے لگی... سات دنوں کی تاخیر — آج تک نہیں ہوئی تھی — آئی مسٹ بی — اُس نے ایک بلند بے یقین سوئیڈش ہچکی بھری — مشاہد کے باپ کا کیا نام تھا — مجھے اس کا نام آنا چاہئے... ہاں... ہاں... چوہدری اللہ داد —

"آئی مسٹ بی پریگننٹ —" اس نے اگرچہ اطمینان بھری سرگوشی میں اپنے پورے وجود سے مخاطب ہو کر صرف اپنے آپ سے کہا لیکن اس کے باوجود جوہڑ میں پر سمیٹتی مرغابی ٹھٹکی اور پانی پر اپنے چپّو چلاتی ایک لہریا راستہ بناتی بلند ہوئی اور قادر آباد کی جھیلوں کی جانب پرواز کر گئی۔

اس شام میں اور چڑیوں کے متواتر شور میں ایک چرچراہٹ سنائی دی...
یہ یقیناً برگیتا کا ہاتھ ہے جو سات کمروں والی کوٹھی کے پھاٹک کو ذرا سا دھکیلنے کے بعد جھجک کر پیچھے ہوا ہے —
مشاہد نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ پھر آن کر دیا۔

اگلے ٹائر میں ہوا کم تھی... وہ ذرا پیچھے ہوا تاکہ اُس پر بوجھ کم پڑے۔
راستے پھر ویران تھے —
اکا دکا فائر کی آواز معمول کے مطابق تھی۔
مرڈر شل بریڈ مرڈر نل وے اینڈ آف ہسٹری...
مُردہ مور کے پنجوں کے نشان سات کمروں والی کوٹھی کے ساتوں کمروں میں ثبت
ے پاری اپنے تہواروں پر سیڑھیوں پر گُل بوٹے ثبت کرتے تھے۔
زیرو پلس زیرو از ایکل ٹو زیرو —
اگلے ٹائر میں ہوا بہت ہی کم تھی اور مردان کے چہرے پر ایک فکرمندی آئی جو
کر مندی کے علاوہ تھی جو مشاہد کے لئے تھی — انہوں نے پتہ نہیں کیسے کس ہلے
ے تلے دب کر اپنی ایک ٹانگ کو فریکچر کر لیا تھا اور اب پلاسٹر میں بندھے ایک چھڑی
رے چلتے تھے۔ بھرجائی برگیتا کی آواز میں جب اس نے فون کیا تو ایک اطمینان تو تھا
یں گھبراہٹ کے ریزے بھی تھے جو اس کے اندر تک گئے۔ آج شام لاہور جانے
ن کا ٹکٹ اُس کی جیب میں تھا۔ وہ بُکنگ کروا کے سٹیشن سے واپس آ رہا تھا۔
ڈز — ایک اور سٹرے بُلٹ — جانے اُس سے کتنے فاصلے پر اور کس کے لئے
ان دیکھا شوٹ کرتا ہوا گیا تھا۔
اور ایک سٹرے بُلٹ کیا ہے —
Stray — راہ راست سے ہٹ جانا۔ گمراہ ہونا — بہک جانا — بھولا بھٹکا —

Bullet — اس کے بہت سارے معانی نہیں تھے — بس ایک گولی۔
اس کے پاؤں ایک ہموار اَن ڈری رفتار سے پیڈلوں پر دائرے بناتے ہوئے چلے

روڈ بلاکس پر کسی بھی وردی پوش نے اسے نہیں روکا — وہ اُن کے لئے ایک بے حیثیت اور کم عقل سائیکلسٹ تھا جو ایک سڑے بُلٹ کی طرح راہ راست سے ہٹ کر پتہ نہیں کدھر چلا آیا تھا اور کدھر جا رہا تھا۔

شیشم کے دو درخت تیزی سے بڑھ رہے تھے — اُچیاں لمیاں ٹاہلیاں اور اُن کے پتّے ہوا کے زور سے تالیاں بجاتے تھے۔ اُس نے سڑک پر سے نگاہ ہٹا کر اُوپر دیکھا — کراچی کے بد رنگ آسمان پر بہت بلندی پر چند گدھ پَر پھیلائے معلق نظر آتے تھے۔ اِس آسمان تلے بان کی ایک چارپائی کیسے بچھ سکتی ہے — وہ درخت جن میں سے وہ وحشت، برہنگی اور شرمندگی سے گزرتا تھا ایک جانور کی طرح وہ کونسے تھے — اُن سے پتے نہیں ناریل ٹپ ٹپ گرتے تھے اور اُن کے اندر سُندر بن کے گہرے اندھیرے اور لشکتی آنکھوں والے جنور اسے اپنا جان کر راستہ دیتے تھے — وہ درخت شیشم کے نہیں تھے... اپنے نہیں تھے... اجنبی تھے۔ اُن کے نیچے جو نرم گھاس والی دلدل تھی وہ ناآشنائی اور مغائرت کی تھی... لیکن اُس کے اگلے ٹائر میں ہوا کم تھی اور تیسری بیرک کے برآمدے میں شوبھا کچے راستے پر نظریں جمائے اس کی منتظر تھی۔ دوسری بیرک میں مُکلی کے تعویز اور اُن پر زرد دھوپ ایسے پتھروں پر کھدے بیل بوٹے اور سپاہی ابھی بے جان تھے، پتھر تھے اور منتظر تھے... شائد عارفین بھی —

پتہ نہیں بُکنگ کے باوجود شام کی ٹرین میں اسے نشست ملتی بھی ہے یا نہیں — نہ ملے تو بھی وہ پورا سفر راہداری میں ٹہل کر گزار سکتا تھا — اگرچہ برگیتا کی آواز میں اطمینان تھا — لیکن وہ اُس گھبراہٹ کو دور کرنے کے لئے مشاہد کے پاس جانا چاہتا تھا جس کے ذرّے اس کے بدن میں ابھی تک کیکر کی سُولوں کی طرح کھبے ہوئے تھے، اُسے زخما رہے تھے۔

کیپٹن گُل ریز اور کیپٹن دلاور خان کو اب تک واپس آ جانا چاہئے تھا — اور وہ نہیں آئے تھے، باہر جیسور میس کے باہر سازشی رات کے اندر وہ گئے تھے اور اُن کی گشت صرف دو گھنٹے کے لئے تھی اور اب تیس منٹ اُوپر ہو چکے تھے اور وہ لوٹ کر نہیں آئے تھے۔ کیپٹن مردان علی بار بار اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالتا تھا اور میس سے باہر دیکھتا تھا — اس کے جوان واپس نہیں آئے تھے۔

اور یہ پہلی بار نہیں تھا کہ جوان واپس نہیں آئے تھے — اس سے پیشتر — وہ ملے تھے تو اُن کی شکلیں بگڑی ہوئی تھیں اور وہ یونیفارم میں نہیں تھے اس لئے کیپٹن مردان علی بار بار اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالتا تھا اور اُس کے دل میں مکتی باہنی کے ان بنگالی باسٹرڈز کے لئے نفرت کے پہلو بہ پہلو خوف کا عنصر بھی کروٹیں لیتا تھا — ایک کروٹ میں اُن کی بگڑی ہوئی شکلیں، کسی دلدل میں... کسی درخت سے لٹکتے ہوئے دیکھتا تھا۔

"یہ باسٹرڈز ابھی تک کیوں نہیں آئے؟" اس نے صوبیدار علی احمد کی طرف دیکھا جو بار بار کھڑکی سے باہر تاریکی میں جھانکتا تھا۔

"آئیں گے سر، انشاء اللہ آئیں گے۔ شائد مکتی حرامیوں کا صفایا کر رہے ہوں سر — بہادر لوگ ہیں سر —"

"ہاں — دے آر بریو لیڈز — لیکن وہ واپس کیوں نہیں آئے —"

اگلے ٹائم میں ہوا واقعی بہت کم تھی اور اُس نے اپنی رفتار آہستہ کر دی۔

سڑک پر اِکا دُکا کاریں آ جا رہی تھیں۔

شوبھا کے بعد زندگی کا اریج منٹ کیا ہو گا؟

عارفین بہت کم اُس کے سامنے آتی تھی۔ ایک اجتناب اس کی آنکھوں اور بدن کی حرکت میں تھا جیسے اُس نے اپنے آپ کو پابند کر لیا ہو۔ وہ اُس کا نام لینے سے بھی گریز کرتی تھی۔ بیٹ مین بشیر اُسے ناراضگی کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ وہ غیر محسوس طریقے سے مردان کی ذات سے متعلق گھریلو کاموں کو اپنی ہاتھوں میں لے رہی تھی۔ شوبھا کے بعد کی زندگی میں اپنے جگ سا پزل کا ایک ٹکڑا اُس کے ساتھ جوڑنے کا شائبہ سا ہوتا تھا۔ کیا یہ ممکن ہو گا؟ وہ دھکیلا نہیں جانا چاہتا تھا... کسی بھی اریج منٹ میں — جب آنٹی بابر کا گھر اُداسی اور بے وطنی میں ایک پناہ گاہ تھی... چائے کے ساتھ ہمدردی ملتی تھی جو اُداسی کا توڑ تھی اور عارفین اور نازنین کی آوازوں اور اُن کی خوش گفتاری میں کانونٹ کے دل کو مٹھی میں بھر لینے والے لہجے تھے — لیکن اُن زمانوں کو گزرے تو زمانے ہو چکے تھے —

سڑک پر ٹریفک اب زیادہ ہونے لگی تھی۔

وہ اب بھی عارفین کے سامنے نظر جھکا کر بات کرتا تھا۔

اس کے اجتناب نے اور نام لینے سے گریز نے اسے خبر کی تھی کہ عارفین شائد

حالات کے بوجھ تلے یا شاید واقعی اس کے عشق کے ایسے تناؤ میں آ چکی تھی جس میں نتھنے چرنے کو آ جاتے ہیں... لیکن اُس مرجع خلائق گھر میں جواب ایک غیر ملک میں تھا اور ملیر کینٹ کی بیرک نمبر تین کے درمیان سُندر بن کا ایک سلسلہ تھا جس میں مردان اب تک ایک بے لگام اور نیم وحشی کیفیت میں سلگتی آنکھوں اور دامن کھینچتی جھاڑیوں اور ٹپ ٹپ گرتے ناریل اور دلدلوں میں سے پاؤں اکھیڑتا بھاگ رہا تھا... ایک عرصے سے یہ فرار مکمل نہیں ہو رہا تھا... وہ کیسے اس کے تسلسل میں رک کر عارفین کے عشق کی تنی ہوئی باگیں دیکھتا اور اُن کو ڈھیلا کر کے اُسے سکھ چین سے اپنی آئندہ زندگی میں داخل کرتا —

وہ اب تک واپس کیوں نہیں آئے —

جیسور میس کے باہر ایک ٹھہری ہوئی نیم تاریکی میں وہ گئے تھے اور ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ یہ ایک رُوٹین ریکی تھی — دو آفیسر اپنے جوانوں سمیت آس پاس کے علاقے میں دو گھنٹوں کے لئے گشت پر نکلتے۔ اگر کوئی مکتی باہنی یا کوئی بھی مخدوش لرزتا ہوا دھوتی پوش سایہ جو شاخوں کو ہٹاتے یکدم سامنے آ جاتا اور بھاگنے کی کوشش کرتا تو وہ اگر اُسے آن دے سپاٹ شوٹ نہ کرتے تو گردن سے پکڑ کر واپس لے آتے — اور پھر شوٹ کر دیتے... یہی روٹین تھی... اور انہیں دیر ہو رہی تھی۔ تاخیر کا ہر لمحہ اُن کی شکلیں بگاڑ کر مُردہ کر رہا تھا۔ وہ اگر اُن کے ہتھے چڑھ جاتے تو اُن کی بھی یہی روٹین تھی۔ دلدل میں برہنہ جسم، بگڑی ہوئی شکلیں — وہ سب کچھ اُتار لیتے لیکن کلائی پر بندھی گھڑی کبھی نہ اُتارتے، اُن پر وقت کی سوئیاں حرکت کرتی رہتیں۔ وہ تھم جاتے تھے اور وقت آگے چلا جاتا تھا۔ اور اُن کی پہچان عام طور پر گھڑی کے میک سے ہوتی... کیپٹن خانزادہ — سیکو، لفٹنٹ جہان... سیٹزن... کرنل آفندی... رولیکس۔ انہوں نے اپنے تئیں لاپروائی کی نظر سے ہمیشہ ایک دوسرے کی گھڑیوں کے میک نوٹ کر رکھے تھے تاکہ...

اور وہ اب چالیس منٹ لیٹ تھے۔

مردان نے سپورٹس سائیکل کے ہینڈل سے ایک ہاتھ اُٹھا کر جیکٹ کی جیب کو چھُوا... حیدر آبادی چوڑیوں کی گولائی ابھی تک مکمل تھی اور اُن میں سے ایک بھی نہیں ٹوٹی تھی... اور یہ شوبھا کے لئے تھیں۔ اظہار کے لئے اس نے بہت اہتمام اور فراخ دلی

سے اپنے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کی تھی اور وہ ناکام رہا تھا۔ کیونکہ وہ فتح جنگی اَن گھڑا اور اکڑی ہوئی گردن والا باریش لڑکا جدائی کا سبب بننے کو تھا اس لئے...

اس کی مٹھیوں میں پسینہ آ رہا تھا... سردیاں تھیں لیکن... کراچی نے موسم کی خنکی کو قبول نہیں کیا تھا اور اپنے نم آلود نیم صحرائی مزاج کو چار چفیرے محیط کر رکھا تھا۔

جیسور کے بعد اس نے کلائی پر گھڑی باندھنا چھوڑ دیا تھا... انسان کی پہچان کا اس سے زیادہ ہتک آمیز طریقہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

اگر اگلے ٹائر میں سے ہوا بالکل نکل گئی تو بہت ستم ہو گا... مصیبت ہو گی۔ ان زمانوں سے فٹ پاتھ پر بیٹھ کر روزی کمانے والے، دیہاڑی دار مزدور، ٹھیلے والے سب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ ہوا بھرنے والا پمپ کسی فٹ پاتھی سائیکل ورکس سے ہی دستیاب ہو سکتا تھا۔ یہ ستم نہ ہو تو اچھا ہے — وہ ذرا سا اور پیچھے ہوا تاکہ ٹائر پر بوجھ اور کم ہو۔

ایک بیٹی کی شادی کا پہلا قدم کونسا ہوتا ہے — شادی کارڈز کی چھپائی اور... اس سے آگے سب کچھ نامعلوم تھا لیکن برگیتا نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سنبھال لے گی۔

میس کے اندر بھی تاریکی تھی... پردے گرے ہوئے تھے اور زیرو کا ایک بلب روشن تھا۔ باہر کی نامعلوم اور گھناؤنی رات میں اُن کا ٹارگٹ آسان ہو جاتا اگر اندر روشنی ہوتی... اور وہ ابھی تک نہیں لوٹے تھے۔

"صوبیدار احمد علی —"

"سَر —"

"آؤ —"

"سَر —"

وہ دونوں میس کے چوبی برآمدے پر آہستگی سے پاؤں رکھتے گھنی رات اور گہرے جنگل میں آ گئے چونکہ وہ خود متعدد بار اس گشت پر آ چکا تھا اس لئے سمت کا اُسے اندازہ تھا۔

کوئی ایک جھینگر تھا جس کی آواز مسلسل اُن کا ساتھ دے رہی تھی جیسے وہ اُن کا پیچھا کر رہا ہو اور اُس کے سوا ہوا کی سرسراہٹ تھی جو کبھی سرگوشیوں میں مدھم ہوتی تھی

اور کبھی اس میں اُن آوازوں کا گمان ہوتا تھا جن کی بولی سے وہ نا آشنا تھا۔

"احمد علی ـــ"

"سَر ـــ" اور صوبیدار احمد علی نے یہ "سَر ـــ" اتنی ہی بلند اور گونجدار آواز میں کہا جتنی کہ وہ جیسور میس کے اندر کیپٹن صاحب کے پکارنے پر شَن ہو کر کہتا تھا اور پھر فوراً ہی اسے احساس ہوا کہ اس "سَر ـــ" کی آواز پورے جنگل میں گونجی ہے... اور اس نے ایک مرتبہ پھر احتیاط بھری سرگوشی میں آہستہ سے "سَر ـــ" کہا۔

"تم شادی شدہ ہو؟"

"سَر ـــ"

"بچے ہیں؟"

"تین ہیں سَر ـــ"

"احتیاط برتو ـــ"

"سَر ـــ"

لبلبی پر بھی اُنگلی پسینے سے بھیگتی تھی۔

مردان نے دونوں ہاتھ باری باری سائیکل کے ہینڈل سے الگ کر کے مٹھیوں میں آئے ہوئے پسینے کو جین پر پونچھا۔ اُس کی ٹانگ میں گھٹنے سے اُوپر ہاتھ پونچھنے سے ایک ٹیس اُٹھی۔ دسمبر کی پرانی چوٹیں ابھی فراموش نہیں ہوئی تھیں... جگ سا پزل کا ایک حصّہ... وقت کی ایک کترن پر نامردی رقم تھی۔ عارفین کیسے زندگی کے اربنج منٹ میں شامل ہو سکتی تھی۔ کیا جنس کی غیر موجودگی میں ایک رشتہ قائم رہ سکتا ہے ـــ اس نے مڑ کر دیکھا... کیریئر پر بندھے لفافے میں شوبھا کے لئے ایک سفید اوور آل تھا جس میں ابھی درملین کی بو نہیں تھی۔

اس نے اندھیرے میں چمکتے ڈائل پر ایک نگاہ کی... اومیگا ہی ماسٹر کی سیکنڈ کی سوئی رُک رُک کر اٹکتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ اس نے فوراً اپنا کف اس کے اُوپر کیا کہ اس گھنی رات میں اس کا چمکتا ڈائل ایک الاؤ کی طرح روشن لگتا تھا ـــ اُن کی آنکھیں دُکھنے کو آتی تھیں اور وہ پچھلے ایک گھنٹے سے اُن کی تلاش میں تھیں جنہیں دو گھنٹے پیشتر واپس

آ جانا تھا۔ وہ اب زمین کی طرف دیکھتے چلتے تھے اس خوفزدہ یقین کے ساتھ کہ اُن کے راستے میں شائد اب ان کی لاشوں کی رکاوٹ آ جائے۔

ہوا یک لخت تھم گئی — اور ایک مکمل خاموشی ابر آلود آسمان سے اُتر کر جنگل کی پہنائیوں میں جذب ہو گئی — اُن کے قدم بھی رُک گئے — وم سادھے ہوئے جب مردان نے ایک قدم آگے بڑھایا تو نرم گھاس اور گیلی زمین پر پڑنے کے باوجود اس میں اتنا شور تھا جیسے غدر برپا ہو گیا ہو... ایک اور قدم... اور حد درجہ احتیاط لیکن بہت دور تک علم ہوتا تھا کہ کوئی اس سکوت میں چلتا ہے... وہ کتنی دیر ہوا کے چلنے کا انتظار کرتے۔ بالآخر انہوں نے پھر دانت بھینچتے ہوئے اپنے پاؤں میں بدن کے پورے اختیار اور احتیاط کو اُتارتے ہوئے چلنا شروع کر دیا... پھر وہ قدرے لاپرواہ ہو گئے۔

"احمد علی —"

"سَر —"

"تم نے کچھ سُنا —"

"سَر —"

"کیا؟"

"کوئی ہنس رہا ہے سَر... بلکہ بہت سارے لوگ ہنس رہے ہیں"

رُک کر قدم روک کر وہ کان لگا کر سننے لگے۔

"کون ہو سکتا ہے؟"

"مکتی باہنی سَر —" احمد علی کے بدن میں خطرے کی بُو سے ایک دلیری آئی "بے ایمان ہیں سَر — عیش کر رہے ہیں۔ ہم ایمبوش کرتے ہیں سَر —"

لیکن ہنسی عیش کی نہیں ہسٹریائی لگتی تھی۔

لوڈڈ میگزین کی موجودگی پر اُنگلیوں نے اطمینان کیا اور وہ اپنے راستے میں حائل شاخوں اور ٹہنیوں کو ایک ہاتھ سے ہٹاتے ایک غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنے کے لئے اپنے آپ میں دلیری اور ہمت کو سرائت کرتے آگے بڑھنے لگے۔

قربت... پتوں کو ہٹانے اور ٹہنیوں کے نیچے سے جھکتے گزرتے اور قدم اُٹھانے سے اندھیرے میں... ہنسی کی آواز واضح اور صاف ہونے لگی۔

یہ آواز شناسا اور مانوس تھی... کہیں سُن رکھی تھی، یہ ہنسی کی پُرجوش اور ہسٹریائی

آواز... یکدم ان کے گمان کے بغیر، توقع سے جدا جو ایک گھنی شاخ انہوں نے اُٹھائی تو ہنسی کی آواز براہ راست اُن تک آ گئی اور انہوں نے کیپٹن گل ریز اور کیپٹن خانزادہ کو جنگل کے ایک نسبتاً ہموار اور درختوں سے خالی حصے میں دیکھا۔

لالٹین کی لَو بہت مدھم تھی جو ایک حوالدار نے اُٹھا رکھی تھی لیکن یہ مدھم لَو بھی بہت تھی۔

کیپٹن گل ریز نہیں صرف کیپٹن خانزادہ ہنس ہنس کر دوہرا ہو رہا تھا۔

کیونکہ کیپٹن گل ریز نے دونوں ہاتھوں سے اُس تلوار کو تھام رکھا تھا اور وار کرنے کو تھا۔

ایک سہمے ہوئے شخص کی بے چارگی سے مرزان نے صرف اس تلوار کو دیکھا جو ایک نامعلوم مدت سے جیسور میس کے ڈائننگ ہال کے داخلے پر محراب کے عین اُوپر سجاوٹ کے طور پر آویزاں تھی... اس کی تاریخ بھی نامعلوم تھی، لیکن اُس کے دستے کے علاوہ پورا بلیڈ زنگ آلود تھا... مشرقی پاکستان کی نم آب و ہوا نے اس کی دھار کند کر دی تھی۔

لالٹین کی مدھم اور گم ہوتی، پھر سے تیرتی، واپس آتی روشنی میں، دھوپ سایوں میں کیپٹن گل ریز کے آگے ایک عورت ناکافی ساڑھی میں لپٹی سر جھکائے یوں بیٹھی تھی جیسے کسی آرٹس کالج کے طالب علموں کے سامنے ایک ماڈل بے حس و حرکت اپنے آپ کو ساکت کئے بیٹھا ہے تاکہ پنسل کی کوئی سٹروک آگے پیچھے نہ ہو جائے۔

تلوار کی سٹروک اس کی گردن پر آئی اور وہ اسی طرح تڑپے بغیر بے حس و حرکت زمین پر لڑھک گئی۔

"یُو مِسڈ اِٹ یُو باسٹرڈ — یُو مِسڈ اِٹ" کیپٹن خانزادہ نے اپنی رانوں پر ہاتھ مارتے ہوئے چلا کر کہا "یُو مِسڈ اِٹ —"

گل ریز نے پشیمانی اور شرمندگی میں ایک اور وار کیا لیکن تلوار کو بلند کر کے نہیں، ایک نزدیکی فاصلے سے اور عورت کے بدن اور سر کے درمیان جو ایک لوتھڑا تھا، شہہ رگ تھی، رابطہ تھا یا ایک تار تھی، اُسے کاٹ دیا... سر کے بغیر انسان کا دھڑ کتنا مضحکہ خیز لگتا ہے صرف وہی جان سکتے ہیں جنہوں نے اسے دیکھا ہو۔

"عاشق علی —"

"سَر —"

"گراؤنڈ کلیئر کر دو یارا —" گل ریز نے ایک میٹر آف فیکٹ آرڈر راشو کیا۔

عاشق علی نے جو لالٹین اٹھائے کھڑا تھا، اُسے زمین پر رکھ کر آگے آیا اور عورت کے دونوں حصوں کو سر کے بالوں اور دھڑ کو ساڑھی سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے ایک جانب کر دیا۔

"Next" گل ریز نے اطمینان سے کہا۔

سب ایک قطار میں سر جھکائے بیٹھے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے... کچھ جوان تھے... کچھ بوڑھے تھے، کچھ بچے بھی تھے لیکن سب کے سب اپنے حال پر قانع سر جھکائے بیٹھے تھے۔ صرف غور سے دیکھنے پر اُن کے ناتواں جسموں کی لرزش اور پلّوں کی سی اُن کے بھنچے ہوئے لبوں میں سے نکلتی آوازیں سنائی دیتی تھیں۔

گل ریز کے Next کہنے پر ایک بوڑھا جھکا ہوا آگے آیا اور اپنے آپ کو عین اُس جگہ پر بٹھایا جہاں پر دو دھڑوں والی عورت کا خون ابھی گرم تھا اور زمین میں جذب نہیں ہو رہا تھا۔

"خانزادہ یار تم میں زور نہیں۔ شرط یہ تھی کہ تلوار کے ایک ہی وار سے گردن دھڑ سے الگ ہو کر گرنی چاہئے۔ اب ذرا ہمارا زور اور مشاقی دیکھو۔"

جہاں عورت کی ساڑھی ابھی تک خون اپنے اندر سمو رہی تھی اور اُس کا سَر اور آنکھیں ابھی مکمل طور پر بے جان نہیں تھیں اگرچہ سیاہ اور بڑی بڑی تھیں وہاں چھ سات اور بھی دھڑ تھے جو سرد ہو چکے تھے۔

مردان جتنی دیر میں شاخوں سے الجھتا اور اپنے ماؤف دماغ میں اس تصویر کی معنویت کو سمجھنے کی کوشش کرتا اُس کلیئرنگ تک پہنچا گل ریز کی زنگ آلود اور کُند تلوار کا بلیڈ چِٹّی داڑھی والے بوڑھے کو دو حصوں میں الگ الگ کر چکا تھا اور ابھی اگر اس میں کوئی خون تھا تو وہ وار کے اچانک پن اور شدت سے لمحہ بھر کے لئے رُکا ہوا تھا۔ بوڑھے کی داڑھی میں حنا کی سرخی رچتی ہوئی اسے نم کرنے لگی جب مردان نے گل ریز کے ہاتھ کو اپنے شکنجے میں لیا...

"What the hell do you think you are doing captain?"

گل ریز جو کہیں اور تھا، اپنی ٹرانس میں سے باہر آیا تو اپنے سامنے ایک سینئر

کولیگ کو دیکھا، اس کی جانوروں کی طرح چمکتی آنکھوں کو دیکھا "مکتی باہنی یار — ادھر ہم گشت پر نکلے تو یہ لوگ جنگل میں رینگ رہے تھے۔ ہم نے گھیرا ڈال کر انہیں راؤنڈ اپ کیا تو... کہنے لگے ہم ادھر جا رہے ہیں، ٹو وار ڈز انڈیا —"

"تم انہیں قتل کیوں کر رہے ہو؟"

وہی عیش کی نہیں ہسٹریائی ہنسی، کیپٹن خانزادہ کے ہنس ہنس کر دوہرے ہونے سے سنائی دی "Just a game sir, no harm done"... صرف ایک کھیل سر — کہ کون ایک ہی وار سے اِس زنگ آلود تلوار سے — اینڈ ڈو یو نو مردان کہ یہ مغل پیریڈ ہے اور جیسور میس میں ایک سو تیس برس سے آویزاں ہے... ہاں میں تاریخ کے بارے میں کچھ جانتا ہوں... تو ایک ہی وار میں کون اِن باسٹرڈز کی گردن جدا کرتا ہے"

"اور میں جیت گیا —" گل ریز نے انگلی اُٹھا کر کہا اور ایک بے قابو ہنسی میں کہا "میں نے تین بار اور اِس نے صرف ایک بار — کم آن سر آپ بھی قسمت آزمائی کریں .. صرف ایک کھیل ہے... کسی کا کچھ نقصان نہیں ہوتا —"

"ہاں کسی کا کچھ نقصان نہیں ہوتا یارا —"

اُس نے زنگ سے بھری، گاڑھے خون سے بھری تلوار کو دیکھا — "میرا نام کیپٹن مردان علی خان نہیں ہے اگر تم نے جو کچھ کیا ہے اس کی قیمت نہ ادا کرو — کسی کا کچھ نقصان نہیں ہو گا یارا — صرف ایک اور کھیل —"

تئیس برسوں میں بہت دن رات ہوتے ہیں۔ اُن سب راتوں اور دنوں میں وہ زنگ آلود کند اور گاڑھے خون میں لپٹی تلوار اُس کے سامنے آہستہ آہستہ اس کے سامنے آتی رہی...

اگلے ٹائر میں ہوا تشویش ناک حد تک کم ہو رہی تھی۔

وہ ذرا اور پیچھے ہوا —

اُسی لمحے تئیس برسوں کے بعد اس کی ٹانگ میں ایک ٹیس اُٹھی اور اُس کے سینے میں ایک گرم تیرتی ہوئی جلن نے راہ بنائی —

کسی نے بھی دھیان نہ دیا۔ کوئی بھی متوجہ نہ ہوا کہ سڑک پر ایک سائیکل پڑی ہے اور اُس کا اگلا ٹائر جس میں ہوا بہت کم ہے ابھی تک آہستگی سے حرکت میں ہے اور

اُس کے قریب کوئی شخص ہے جس کے منہ سے گاڑھا خون بہتا ہے اور تارکول میں جذب نہیں ہو رہا۔

ایک سٹرے بلٹ کیا ہے؟

Stray — راہ راست سے ہٹ جانا... گمراہ ہو جانا... بھولا بھٹکا آوارہ۔

Bullet — ایک گولی۔

کیرئیر پر بندھا اوور آل ابھی تک سفید اور بے داغ تھا اور ایک پتلی سرخ لکیر اُس کی جانب رینگ رہی تھی۔ حیدر آبادی چوڑیوں میں سے صرف ایک کا دائرہ ٹوٹ کر کانچ کی دو قوسوں میں دو دھڑوں کی طرح الگ الگ ہوا تھا۔

مردان کی نظر اور سامنے کا منظر دھندلانے لگا اور اُس میں شیشم کے دو درخت بلند ہونے لگے کہ شیشم تیزی سے بڑھتا ہے اور اُن کی چھاؤں گھنی ہونے لگی اور اُن میں تیز ہوا چلتی تھی اور اُن کے پتے تالیاں بجاتے تھے اور گرتے تھے تو اس کے آس پاس میں اور اُس کے چہرے پر گرتے تھے۔ اُن کی چھاؤں تلے وہاں بان کی ایک چارپائی بھی بچھی تھی اور وہ اُس پر لیٹنا چاہتا تھا... اگرچہ موسم سردیوں کے تھے لیکن ایک بھری شکر دوپہر تھی جس میں سورج نیچے ہو کر اُس کے سر پر پگھلتا تھا اور دھوپ کی سفید گرمی میں جھولتا، لہریں لیتا ایک خالی تانگہ کوچوان کے بغیر اُس کی جانب گھوڑے کے پاؤں میں بندھے گھنگھروؤں کی چھنکار میں مست اس کی جانب آتا تھا... اور کون کہتا تھا کہ... بھائی لوہاری بھئی، کلّی سواری بھئی... اکلوتی سواری کے عین سامنے آ کر تانگے سے گھوڑا الگ ہوا... ایک سیاہ لشکتا وجود پسینے سے نہایا ہوا جو اپنے گھنگھرو چھنکاتا اُس کی طرف بڑھتا آ رہا ہے... نیں میں جاناں جوگی دے نال...

اور جوگی کا منہ سڑک کے تارکول پر کھُلا تھا اور اُس میں سے جو خون رستا تھا وہ جذب نہ ہوتا تھا۔

شیشم کی چھاؤں اُس پر سایہ کرتی جاتی تھی۔ آسمان اس کی بے شمار شاخوں، ٹہنیوں اور تالیاں بجاتے پتوں سے ڈھک گیا تھا اور کہیں سے بھی اس کی نیلاہٹ کی جھلک نظر نہ آتی تھی اور وہ بان کی چارپائی پر لیٹنا چاہتا تھا۔ چوہدری اللہ داد کی مشرقی پاکستان کی تصویروں میں جو بادبان تھے وہ سارے کے سارے کھُل گئے تھے اور تمام کشتیاں اس کی جانب رواں تھیں...